Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 7, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

Research Article

ڈاکٹر محمد سلیم سرور
اردو لیکچرر، آسٹران کالج، راولپنڈی
ڈاکٹر عنبرین تبسم
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

معاصر اردو ناول میں جنسی بے رغبتی: وجوہات، مظاہر اور مضمرات

Dr.Muhammad Saleem Sarwar
Urdu Lecture,Astron college of Science and commerce,Rawalpindi
Dr. Ambreen Tabassum
Associate Professor Department Of Urdu National University Of Modern Languages,Islamabad

Sexual Disinterest In Contemporary Urdu Novels: Causes, Manifestations, And Implications

Contemporary Urdu fiction serves as an important medium for representing the psychological, social, and economic complexities of human life. Among the issues explored by modern novelists, sexuality and its related behavioral patterns occupy a significant position. Sexual disinterest is a multifaceted psychological and social phenomenon that influences an individual's sexual orientation, intimate relationships, and social conduct. Its causes may include physical weakness, psychological stress, economic pressures, family conflicts, social restrictions, childhood experiences, sexual abuse, and negative perceptions regarding sexuality. In contemporary Urdu novels, sexual disinterest appears in various forms, including emotional and marital detachment, sexual dissatisfaction, alienation from heterosexual relationships, identity crises, and, in some cases, inclination toward alternative sexual expressions. This article examines the causes, manifestations, and implications of sexual disinterest as portrayed in contemporary Urdu novels. The study argues that these novels not only depict the phenomenon itself but also reveal the social, psychological, and economic forces that contribute to its formation. Through a textual and analytical approach, the article highlights how contemporary Urdu fiction provides valuable insights into the complexities of human sexuality and its impact on individual and social life.

Keywords: Sexual Disinterest, Contemporary Urdu Novel, Sexuality, Psychological Factors, Social Constraints, Economic Pressures, Marital Relationships, Sexual Identity, Human Behavior.

معاصر اردو ناول انسانی زندگی کے نفسیاتی، سماجی اور معاشی مسائل کی عکاسی کا ایک مؤثر وسیلہ ہے۔ جنسیت اور اس سے وابستہ رویے بھی جدید اردو ناول نگاروں کی توجہ کا اہم مرکز رہے ہیں۔ جنسی بے رغبتی ایک ایسا نفسیاتی و سماجی مظہر ہے جو فرد کے جنسی میلان، ازدواجی تعلقات اور سماجی رویوں پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس کی وجوہات میں جسمانی کمزوری، نفسیاتی اضطراب، معاشی دباؤ، خاندانی کشیدگی، سماجی پابندیاں، جنسی استحصال، بچپن کے تلخ تجربات اور جنس کے بارے میں منفی تصورات شامل ہو

سکتے ہیں۔ معاصر اردو ناولوں میں جنسی بے رغبتی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے، جن میں ازدواجی لاتعلقی، جنسی عدم اطمینان، جنس مخالف سے دوری، شناختی بحران اور بعض اوقات متبادل جنسی رجحانات کی طرف میلان شامل ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں معاصر اردو ناولوں میں جنسی بے رغبتی کے اسباب، اس کے فنی و فکری مظاہر اور فرد و معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تحقیق واضح کرتی ہے کہ اردو ناول محض اس مسئلے کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ اس کے پس منظر میں کارفرما سماجی، نفسیاتی اور معاشی عوامل کو بھی آشکار کرتا ہے، جس سے معاصر معاشرے میں انسانی جنسیت کے پیچیدہ مسائل کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اکیسویں صدی کے ناول کی موضوعاتی وسعت اور انسانی زندگی کی داخلی اور خارجی پیشکش کے حوالے سے شہاب ظفر اعظمی لکھتے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ انسانی زندگی جس شکست و ریخت، پیچ و خم اور انقلاب سے دوچار رہتی ہے اس کے اظہار کا سب سے بہتر وسیلہ بننے کی صلاحیت اگر کسی صنف میں ہے تو وہ صرف ناول میں ہے، کیونکہ ناول معاشرہ، فرد اور ذات کے نہ صرف خارجی عوامل و عناصر کو پیش کرتا ہے بلکہ داخلی تضاد و تصادم اور اس کے محرکات کو بھی اپنی گرفت میں لیتا ہے۔"[1]

جسم کی پکار یکساں ہونے کے باوجود بھی آسودگی کی شکلیں مختلف ادوار میں مختلف رہی ہیں اور مختلف ہو سکتی ہیں۔ سکول میں بچوں کی جنسی آشنائی اور پھر اس خواہش کی تکمیل مختلف طریقوں سے راستہ پاتی ہے۔ یہی بچے جب جوانی کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہیں تو جنسی آسودگی کی پکار یکساں ہونے کے باوجود اس کی تکمیل کے راستے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں ان کی زندگی میں کبھی خواہش، کبھی عادت اور کبھی مجبوری غالب آ جانے پر جنسی آسودگی کے طریقے روایت سے بغاوت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ دوسری چیز خطے اور آب و ہوا کا بھی گہرا تعلق ہے۔ اسلامی یا دیگر مذاہب پر کاربند معاشروں میں جنس مخالف کی طرف شادی سے پہلے رجحان رکھنا یا کشش دکھانا خلاف تہذیب گردانا جاتا ہے، تو ایسے معاشروں میں نہ چاہتے ہوئے بھی ہم جنسیت اور جلق کا استعمال پروان چڑھتا ہے۔ جہاں آب و ہوا گرم ہے اور شادی کسی مخصوص عمر یا مخصوص بندھن کی پابند ہے تو ایسے معاشروں میں بھی ہم جنسیت جڑیں پکڑنے لگتی ہے۔ اردو افسانے میں منٹو، عصمت چغتائی، واجدہ تبسم، کرشن چندر، حسن عسکری، رجندر سنگھ بیدی جیسے ادیبوں نے جنسیت کو موضوع بنایا ضرور مگر اس موضوع کو روایتی جنسیت سے جوڑے رکھا اور بغاوت یا انحراف اگرچہ سماج میں موجود تھا تاہم اس پر بات کرنے کی ہمت عصمت چغتائی کے حصے میں آئی، باقی ادیبوں نے اگر اس موضوع کو چھیڑنے کی ضرورت محسوس بھی کی تو ڈھکے چھپے لفظوں، علامتی اور اشاراتی اور روایتی انداز سے کام نکالنے تک خود کو محدود رکھا۔

اردو ادب کی مختلف اصناف پر دیگر ادبی روایات کے اثرات نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ جس طرح اردو شاعری نے فارسی شاعری سے فکری اور فنی سطح پر گہرا اثر قبول کیا، اسی طرح اردو ناول نے اپنی ابتدائی تشکیل کے دوران مغربی بالخصوص انگریزی ادب سے استفادہ کیا۔ ابتدا میں اردو ناول داستانوی روایت کے زیر اثر رہا، تاہم وقت گزرنے کے ساتھ اس نے حقیقت نگاری کی طرف پیش قدمی کی اور انسانی زندگی کے ان گوشوں کو بھی موضوع بنایا جو مروجہ سماجی اقدار کے باعث طویل عرصے تک ادبی اظہار سے باہر رہے تھے۔

اردو ناول کی اس فکری تبدیلی میں ایسے ادیبوں کا کردار نمایاں ہے جو مغربی علوم اور ادبی رجحانات سے واقف تھے۔ مرزا ہادی رسوا ان نمایاں ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے انسانی نفسیات اور جنسی رویوں کو نسبتاً حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا۔ اگرچہ ان کے عہد میں نفسیاتی مباحث اور بالخصوص جنسی جبلت سے متعلق نظریات علمی دنیا میں زیر بحث آ چکے تھے، تاہم اردو ناول میں جنسیت کا اظہار زیادہ تر مرد و عورت کے تعلقات اور طوائف کے کردار کے گرد گھومتا رہا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں جنسیت کو روایتی اور سماجی طور پر قبول شدہ دائرے میں ہی پیش کیا جاتا رہا۔

تاہم بیسویں صدی کے وسط میں اردو ناول نے جنسیت کے نسبتاً پوشیدہ اور متنازع پہلوؤں کو بھی موضوع بنانا شروع کیا۔ اس ضمن میں عصمت چغتائی کا ناول ٹیڑھی لکیر ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ناول میں پہلی بار خواتین کی نفسیاتی اور جنسی پیچیدگیوں، خصوصاً ہم جنس میلان اور جذباتی وابستگی جیسے موضوعات کو نسبتاً بے باکی سے پیش کیا گیا۔ ناول کی مرکزی کردار شمن کے تجربات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مخصوص تعلیمی و سماجی ماحول، جذباتی محرومیاں اور نفسیاتی عوامل کس طرح روایتی جنسی رجحانات سے انحراف یا جنسی بے رغبتی کی بعض صورتوں کو جنم دے سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے ٹیڑھی لکیر اردو فکشن میں ان موضوعات کے ابتدائی اظہار کی نمائندہ تخلیق ہے جنہیں بعد ازاں معاصر اردو ناولوں نے زیادہ وسعت اور گہرائی کے ساتھ پیش کیا۔ معاصر اردو ناول میں جنس اور جنسیت کی پیشکش کے حوالے سے ڈاکٹر خالد اشرف اپنی کتاب "برصغیر میں اردو ناول" میں لکھتے ہیں:

"فرائیڈ، ژونگ، ایڈلر، ہرش فیلڈ، ہیولاک اور کنزے وغیرہ کی تحقیقات و نظریات نے یورپ اور دیگر ترقی یافتہ خطوں کے ادب و فنون میں جنس کو اس کا مناسب مقام دلوایا اور آہستہ آہستہ جدید ادب قدیم اخلاقی اور مذہبی پابندیوں سے آزاد ہوا۔"۲

جنسی رویہ ہر شخص کو فطرتی طور پر ودیعت ہے، جنسی رویے سے ہر شخص کس عمر میں اور کس حد تک واقفیت حاصل کرتا ہے اس بات کا تعلق سماجی ماحول، اخلاقی ضابطوں اور ذاتی ذوق سے ہے۔ جن معاشروں میں جنسیاتی پہلوؤں پر مناسب تعلیم کا بندوبست ہوتا ہے، ان معاشروں کے لوگ ابتدائی عمر میں جنسی افعال کے متعلق معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ جنسی معلومات کو برتنے کا تعلق اخلاقی ضابطوں سے ہے۔ جس شخص نے جنسی معلومات حاصل کی ہے اس کو بروئے کار لانے کے لیے منتخب معاشرے میں کیا ضابطے ہیں۔ ہر معاشرے کے سماجی، اخلاقی اور مذہبی ضابطے طے ہوتے ہیں جن سے باہر نکلنا فحاشی کہلاتا ہے، جن معاشروں میں اخلاقی قدغنیں اور دونوں جنسوں کے اختلاط پر سخت پابندیاں ہیں، ان معاشروں میں لوگ ایک مدت تک جنسی افعال سے عملی طور پر ایک مدت تک دور رہتے ہیں، جنسی افعال سے عرصہ دراز تک دور رہنے سے ان لوگوں کا ذوق ماند پڑ جاتا ہے اور جنسی سرگرمیوں میں دلچسپی لینا ایک حد تک ترک کر دیتے ہیں۔ اخلاقی ضابطوں کی پابندی اور سماجی قدغنوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گھٹن کے حوالے سے سعید ابراہیم اپنی کتاب "سیکس اور سماج" میں لکھتے ہیں:

"ہم نے اجتماعی طور پر سیکس کو ایک غلیظ حرکت کا درجہ دے کر اسے ولگر بنا دیا ہے۔ میں پوری ایمانداری سے یہ سمجھتا ہوں کہ جب کسی بھی انسانی جبلت پر ناجائز پابندیاں عائد کی جاتی ہیں وہ بھاپ کی مانند طاقت میں بدل کر فرد اور سماج کے وجود کو شکست و ریخت سے دوچار کر دیتی ہیں۔ "۳

جنسی بے رغبتی کے اسباب میں بعض نفسیاتی اور رویہ جاتی عوامل بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جدید ذرائع ابلاغ، فحش مواد تک آسان رسائی اور جنسی موضوعات پر مبنی غیر حقیقی تصورات بعض افراد کی ذہنی ساخت اور جنسی رویوں کو متاثر کرتے ہیں۔ جب فرد کی جنسی تسکین کا انحصار حقیقی انسانی تعلقات کے بجائے خیالی دنیا، بصری مواد یا مصنوعی محرکات پر ہونے لگے تو اس کی توجہ بتدریج فطری اور سماجی طور پر قائم ہونے والے تعلقات سے ہٹنے لگتی ہے۔ نتیجتاً وہ حقیقی زندگی کے جذباتی اور ازدواجی رشتوں میں وہ کشش محسوس نہیں کر پاتا جو ایک متوازن شخصیت کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اس قسم کی ذہنی کیفیت فرد کو تخیلاتی دنیا کا اسیر بنا دیتی ہے، جہاں وہ اپنے ذہن میں ایسے مثالی کردار اور غیر حقیقی تصورات تشکیل دیتا رہتا ہے جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے نتیجے میں حقیقت اور تصور کے درمیان فاصلہ بڑھنے لگتا ہے اور فرد صنفِ مخالف کے ساتھ فطری تعلق قائم کرنے میں ہچکچاہٹ، بے اعتمادی یا عدم دلچسپی محسوس کر سکتا ہے۔ مسلسل ذہنی انہماک اور خیالی تسکین بعض اوقات فرد کی سماجی فعالیت اور جذباتی پختگی کو بھی متاثر کرتی ہے، جس کے باعث وہ عملی زندگی کے تقاضوں سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

معاصر اردو ناولوں میں بھی ایسے کردار دکھائی دیتے ہیں جو اپنی نفسیاتی الجھنوں، جنسی محرومیوں یا غیر حقیقی تصورات کے سبب حقیقی تعلقات سے دور ہو جاتے ہیں۔ ان کرداروں کی زندگی میں جنسی بے رغبتی محض جسمانی مسئلہ نہیں رہتی بلکہ ایک نفسیاتی اور سماجی بحران کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ خیالی تسکین اور حقیقی تعلقات کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج نہ صرف فرد کی جنسی زندگی کو متاثر کرتی ہے بلکہ اس کی شخصیت، اعتماد اور سماجی روابط پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتی ہے، جو بالآخر جنسی بے رغبتی کی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جنسیات کی پہلی کتاب میں حکیم یوسف حسن ایسے خیالات کو فلموں اور لٹریچر سے جوڑتے ہیں:

"نوجوانو! یاد رکھو کہ صفائی انسانی صحت کے لیے سب سے ضروری چیز ہے صفائی ذہنی اور دماغ کی بھی اور جسم کی بھی ہونی چاہیے۔ ذہنی صفائی خیالات کو پاک صاف رکھنا ہے۔ گندے خیالات جو بری صحبت، بری کتابوں کے مطالعہ اور بکثرت سینما دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان سے پورا پورا پرہیز رکھو"۔۴

ذہنی خیالات انسانی جسم کو نہ صرف بنانے بگاڑنے میں معاون ہوتے ہیں بلکہ اس کو سمت دکھانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر یہ خیالات بھٹک جائیں تو اس کا مطلب ہے کہ پورا جسم بھٹک گیا ہے۔ شاہ سوار، مجاہد، کھلاڑی اور دیگر مشکل پسند ہیروز بھی دماغی مضبوطی کی بنا پر ہی مشکل سے مشکل گھاٹی سر کرتے نظر آتے ہیں۔ یوسفؑ کی آنکھوں کے سامنے مصر کا حسن تھا اور دوسری طرف خیالات میں کردار کا دفاع تھا۔ یہی وہ کردار ہے جس میں امانت داری اور مستقبل کا تحفظ موجود تھا۔ ایک پہلوان، مجاہد، شاہ سوار یا کوئی عام آدمی کسی غلط کاری میں مبتلا ہو کر اپنی مردانہ طاقت ہو اپنے ہاتھوں سے خود تباہ کر دے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص خود اپنی تباہی کا باعث بن رہا ہوتا ہے۔ حکیم حسن خان خود لذتی کے نقصانات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"خود لذتی ایک تکلیف دہ اور نقصان دہ عادت ہے۔ جو ہمیں بہت زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔ ایک تو اس سے جسم کی تکمیل نہیں ہوتی۔ مردانہ قوتیں اور جنسی قوتیں پوری طرح تقویت نہیں پکڑتیں۔ دماغ اور دل پر بھی اس عادت کا اثر پڑتا ہے۔ دماغ کچھ یاد نہیں رکھتا، بھولنے لگتا ہے۔ لکھنے پڑھنے میں دل نہیں لگتا۔ کھیل کود اور مردانہ ورزشوں سے طبیعت بھاگتی ہے۔ انسان تنہائی پسند اور شرمیلا بن جاتا ہے"۔۵

جنسی بے رغبتی کا عمل عموماً اچانک وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک تدریجی نفسیاتی اور سماجی کیفیت کے طور پر تشکیل پاتا ہے۔ ابتدا میں فرد صنفِ مخالف کے ساتھ تعلق، میل جول یا جذباتی وابستگی میں غیر معمولی سرد مہری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ سرد مہری رفتہ رفتہ گریز، لاتعلقی اور بعض صورتوں میں نفرت یا اجنبیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس دوران فرد کی شخصیت، طرزِ فکر اور سماجی رویوں میں ایسی تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں جن کا ادراک بعض اوقات خود اسے بھی ہونے لگتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں جنسی شناخت، جنسی میلان اور صنفی کرداروں سے متعلق سوالات ابھرنا شروع ہوتے ہیں اور فرد اپنے وجود اور خواہشات کے بارے میں نئے زاویوں سے سوچنے لگتا ہے۔ اس تناظر میں صنفی شناخت کو ایک جامد اور غیر متغیر حقیقت کے بجائے ایک تغیر پذیر اور سماجی تشکیل کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض جدید نظریہ سازوں نے اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ صنفی رویے اور جنسی میلانات مختلف سماجی، ثقافتی، نفسیاتی اور معاشی عوامل کے زیرِ اثر تبدیل ہو سکتے ہیں اور ان کی تشکیل میں ماحول اہم کردار ادا کرتا ہے۔

جنسی بے رغبتی کے اسباب میں رجولیت کے بحران یا مردانہ خود اعتمادی کے فقدان کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ جب فرد اپنی ابتدائی عمر میں ایسے تجربات، عادات یا نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے جو اس کی شخصیت کی متوازن نشوونما میں رکاوٹ بنتی ہیں تو اس کے اندر صنفِ مخالف کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا اعتماد کمزور پڑ سکتا ہے۔ اشعر نجمی نے اپنے ناول "اس نے کہا تھا" میں ایک ایسے ہی کردار کا نقشہ کھینچا ہے:

"جب میں ۱۲ سال کا ہوا تو مجھے ان کے دوست الگ الگ نام سے پکارتے تھے؛ کوئی میٹھا تو کوئی گیلا کہتا۔ ایک کھلونے کی طرح ہو گیا تھا میں۔ جو چاہتا، وہ استعمال کر لیتا تھا۔ شرم آتی ہے اپنے آپ پر، یہ سوچ کر کہ اس وقت میں نے ان کے بارے میں گھر میں کیوں نہیں بتایا، افسوس ہوتا ہے کہ ماں کو اس کے آخری وقت میں بھی بتا نہ سکا، کسی کا بے خبری میں مر جانا کتنا دردناک ہوتا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ میں اس سے کچھ چھپا رہا ہوں، میری لڑکیوں میں عدم دلچسپی کو بھی وہ شدت سے محسوس کر رہی تھی لیکن شاید وہ مجھے بتا کر میرا بھرم مجھ سے چھیننا نہیں چاہتی تھی۔ میں کوشش کے باوجود اسے کچھ بتا نہ سکا"۔۶

جنسی بے رغبتی کے اسباب میں نفسیاتی عوامل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ انسانی جنسیت محض جسمانی عمل نہیں بلکہ ذہنی، جذباتی اور نفسیاتی کیفیات سے گہرے طور پر وابستہ ہے۔ معاصر اردو ناولوں میں متعدد ایسے کردار ملتے ہیں جن کی جنسی زندگی اور جذباتی رویے بچپن کے تلخ تجربات سے شدید متاثر ہوتے ہیں۔ اسی نوعیت کے کردار رحمن عباس کے ناول روحزن میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں، جہاں کئی کردار اپنی موجودہ زندگی کے مسائل کے ساتھ ساتھ ماضی کے نفسیاتی زخموں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان کے باطنی کرب، احساسِ محرومی، خوف اور عدم تحفظ کے جذبات ان کی جنسی اور سماجی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ایسے کردار اکثر معمول کے انسانی تعلقات قائم کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور بعض صورتوں میں جنسی بے رغبتی، جذباتی لاتعلقی یا شناختی بحران کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس تناظر میں جنسی بے رغبتی کو محض جسمانی کمزوری یا وقتی مسئلہ قرار دینا کافی نہیں بلکہ اسے فرد کی نفسیاتی تاریخ اور تجربات کے پس منظر میں سمجھنا ضروری ہے۔

نفسیاتی تجزیے کے میدان میں Sigmund Freud نے بھی انسانی جنسی رویوں اور لاشعوری محرکات کے باہمی تعلق پر زور دیا ہے۔ فرائیڈ کے مطابق فرد کی جنسی زندگی اس کی نفسیاتی کیفیت سے گہرے طور پر متاثر ہوتی ہے اور بچپن کے تجربات بعد کی زندگی میں جنسی رویوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص ذہنی دباؤ، خوف، اضطراب یا ماضی کے کسی صدمے کا شکار ہو تو اس کی جنسی کارکردگی اور جنسی رغبت متاثر ہو سکتی ہے۔ معاصر اردو ناولوں میں ایسے کرداروں کی کثرت اس بات کی غماز ہے کہ جنسی بے رغبتی کے پس منظر میں نفسیاتی عوامل نہایت اہم ہیں اور ان عوامل کو سمجھے بغیر اس مسئلے کی مکمل تفہیم ممکن نہیں۔ رفاقت حیات کے ناول "رولاک" کے کردار قادر بخش کو اس کے والد نے نفسیاتی طور پر اس قدر دباؤ کا شکار بنا رکھا تھا کہ اس کی جنسی زندگی بھی متاثر نظر آتی ہے:

"اب میں سوچتا ہوں تو مجھے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ان فلموں کی وجہ سے میرے ذہن و دل کی دنیا جو پہلے ہی میرے گرد و پیش رونما ہونے والے واقعات کی وجہ سے پامال ہو چکی تھی، اور زیادہ بربادی کا شکار ہوئی۔ میری معصومیت غارت ہو کے رہ گئی اور میں جنس مخالف سے تعلق کی لطیف اور عمیق ترین باریکیاں اور گہرائیاں محسوس کرنے سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا ہوں"۔۷

قادر بخش کی جنسی بے رغبتی دراصل جسمانی نہیں بلکہ ایک گہرا نفسیاتی مسئلہ ہے۔ ماروی سے جدائی اور جذباتی صدمے نے اسے اندرونی طور پر اس قدر متاثر کیا کہ اس نے حقیقی تعلقات سے منہ موڑ کر خیالی دنیا میں پناہ لے لی، جس کے نتیجے میں اس کی جنسِ مخالف سے رغبت بتدریج ختم ہوتی چلی گئی۔

جنسی بے رغبتی کے اسباب میں معاشی عوامل بھی غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں جہاں انسانی رشتے بھی معاشی مفادات سے متاثر ہوتے ہیں، وہاں جنسی تعلقات تک رسائی بھی اکثر طبقاتی تقسیم سے وابستہ نظر آتی ہے۔ معاشی کمزوری، بے روزگاری اور شادی سے متعلق سماجی تقاضے بہت سے افراد کو بروقت ازدواجی زندگی سے محروم رکھتے ہیں، جس کے نتیجے میں محرومی، احساسِ ناکامی اور نفسیاتی دباؤ جنم لیتا ہے۔ یہی دباؤ رفتہ رفتہ جنسی بے رغبتی کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جہاں فرد جسمانی صلاحیت رکھنے کے باوجود جنسِ مخالف سے لاتعلقی اور بیزاری محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس طرح معاصر اردو ناول معاشی ناہمواری، طبقاتی تفاوت اور شادی سے وابستہ سماجی مطالبات کو بھی جنسی بے رغبتی کے اہم محرکات کے طور پر پیش کرتا ہے۔ سلویا فیڈریچی اس تناظر کو سرمایہ دارانہ نظام سے یوں جوڑتی ہیں:

"Capitalism transformed sexuality into a terrain of discipline rather than pleasure, subordinating desire to the reproduction of labor power."۸

سلویا فیڈریچی کا کہنا ہے کہ سرمانہ دارانہ نظام نے مرد اور عورت دونوں کو اپنی جسمانی خود مختاری سے دور کر دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دونوں کے جسم محنتی ربوٹ بن کر رہ گئے ہیں۔ ربوٹ تو جذبات سے خالی ہوتے ہیں اس لیے یہ انسانی پتلے جنسی فعل سے دور نظر آتے ہیں۔ اس نظام نے جب افراد کے اجسام اور خواہشات کو معیشت کے ساتھ نتھی کر دیا ہے تو افراد کے اندر سے شناخت اور لذت دونوں کا فقدان ہو چکا ہے، اسی فقدان نے جسمانی اجنبیت اور جنسی بے رغبتی پیدا کی ہے۔

جنسی بے رغبتی کی ایک اہم وجہ تحفظِ ذات اور جنسی معاملات سے متعلق سماجی و ثقافتی تربیت بھی ہے۔ خصوصاً ایسے ماحول میں پرورش پانے والی خواتین، جہاں جنس اور جسمانی تعلقات پر گفتگو کو معیوب سمجھا جاتا ہے، ازدواجی زندگی میں جنسی قربت کو فطری عمل کے بجائے خوف، جھجک یا اخلاقی بوجھ کے طور پر محسوس کر سکتی ہیں۔ نتیجتاً وہ نہ صرف جنسی تعلقات میں بھرپور شرکت سے گریز کرتی ہیں بلکہ اس سے وابستہ ذہنی دباؤ کا بھی شکار رہتی ہیں، جس کے اثرات ازدواجی تعلقات پر مرتب ہوتے ہیں۔ معاصر اردو ناولوں میں ایسے کردار اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ جنسی آگہی کی کمی، خاندانی جبر، ثقافتی پابندیاں اور بعض اوقات سابقہ تجربات فرد کو جنسِ مخالف سے تدریجاً دور کر دیتے ہیں۔ اس طرح جنسی بے رغبتی محض انفرادی مسئلہ نہیں رہتی بلکہ سماجی تربیت، خاندانی اقدار اور نفسیاتی تحفظات کے باہمی تعامل کا نتیجہ بن جاتی ہے۔ ایسے ہی ایک جوڑے کا حال اشعر نجمی نے اپنے ناول "اس نے کہا تھا" میں یوں بیان کیا ہے:

"مجھے شروع ہی سے اپنے بارے میں معلوم تھا کہ میں کیسی ہوں۔ ہم جیسے ہوتے ہیں نا، ویسے ہی ہمیشہ رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے۔ مجھے مردوں میں کبھی کوئی کشش محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے سوچا، یہ لو۔۔۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ میں اور رخسار آپس میں ایسے ہی محبت کرتے ہیں جیسے باقی جوڑے کرتے ہیں"۔۹

اشعر نجمی کے بعض کرداروں کے تناظر میں یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر قسم کی جنسی بے رغبتی کو جسمانی کمزوری، نفسیاتی الجھن یا جنسی صلاحیت کے فقدان سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ بعض صورتوں میں مسئلہ جنسی عمل سے نفرت کا نہیں بلکہ مردانہ بالادستی، سماجی جبر اور روایتی رشتوں سے عدم دلچسپی کا ہوتا ہے۔ ایسے کردار اپنی خواہشات اور طرزِ زندگی کا انتخاب خود کرنا چاہتے ہیں، اس لیے ان کے رویوں میں خود مختاری اور مرد مرکز معاشرت سے فاصلہ نمایاں نظر آتا ہے۔ فیمینزم نے خواتین میں معاشی خود انحصاری اور انفرادی شناخت کا شعور پیدا کیا، جس کے نتیجے میں بہت سی خواتین نے اپنی زندگی کے فیصلوں کو مرد کی سرپرستی سے الگ کر کے دیکھنا شروع کیا۔ محمد حفیظ خان کے ناول کرک ناتھ کی زفیرہ احمد اسی رجحان کی نمائندہ ہے، جو معاشی طور پر مستحکم اور سماجی طور پر خود مختار ہونے کے باوجود روایتی مرد و زن تعلقات میں دلچسپی نہیں لیتی۔ اس طرح بعض اوقات جنسی بے رغبتی کا تعلق جنسی صلاحیت سے نہیں بلکہ فرد کی ترجیحات، خود مختار طرزِ فکر اور سماجی تجربات سے ہوتا ہے۔ زفیرہ احمد جانتی ہیں کہ ان کا بزنس کا معاملہ ہیں اگر وہ کسی کے ساتھ کوئی آفیئرز چلاتی ہیں تو وہ شخص ان کو بلیک میل بھی کر سکتا ہے، اور بے وفائی تو پکی ہے:

"زفیرہ احمد کا خون کھول کر رہ گیا مگر اُس نے زبان کو دانتوں تلے دبا کر نہ تو لہجے کی کھنک کو ماند پڑنے دیا اور نہ ہی نخرہ آمیز تمکنت کو۔ آپ کیوں جیلس ہو میرے لبراڈار سے؟ ایک کتے سے رقابت آپ کو کہاں زیب دیتی ہے جناب۔۔۔ کہاں آپ اور کہاں ایک بے چارہ کتا۔۔۔ برا نہیں ماننا بڑے صاحب۔۔۔ لبراڈار کو دو گھونٹ جوانی چکھا دو تو عمر بھر پاؤں چاٹتا ہے مگر یہ مرد عورت کی پوری کی پوری جوانی چوس لینے کے بعد بھی اس پر کبھی اعتبار نہیں کرتا، ہمیشہ بے اعتبار اکر کے مارتا ہے"۔)۱۰

معاصر اردو ناول میں بعض خواتین کرداروں کی جنسی بے رغبتی کے پس منظر میں مردانہ استحصال، عدمِ تحفظ اور اعتماد کے بحران کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ کرک ناتھ میں زفیرہ احمد کے تجربات اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ جب عورت کو مسلسل استحصال، دھوکے، بلیک میلنگ اور طاقت کے ناجائز استعمال کا سامنا کرنا پڑے تو اس کے لیے مرد محض ایک جذباتی ساتھی نہیں بلکہ خوف اور عدمِ تحفظ کی علامت بن جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں جنسِ مخالف سے دوری محض جنسی مسئلہ نہیں رہتی بلکہ اپنی عزت، شناخت اور خود مختاری کے تحفظ کا ایک نفسیاتی ردِ عمل بن جاتی ہے۔ چنانچہ بعض خواتین میں ہیٹرو سیکشوئل تعلقات سے بیزاری جسمانی یا فطری کمزوری کے باعث نہیں بلکہ مردانہ جبر، اعتماد شکنی اور سماجی تجربات کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے، جو بالآخر جنسی بے رغبتی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

جنسیت سے بے رغبتی کی مختلف وجوہات ہمارے سامنے آئی ہیں جس کی کچھ شکلیں ماہرین اور اردو ناولوں کے حوالوں کے درج بالا سطور میں تفصیل سے ذکر ہو چکی ہیں۔ نفسیاتی الجھنیں، سماجی مسائل، معاشی دوڑ دھوپ اور ثقافتی دباؤ جیسے عناصر نے مردوں سے رجولیت اور عورتوں سے جنسی افعال میں دلچسپی اور اعتماد چھین لیا ہے۔ کوئیر یز، ہم جنسیت (گے اور لیسبین) کی طرف بڑھتے ہوئے قدموں میں سے ایک قدم اسے بھی گردانا چاہیے۔ جس کی پشت پر موجود معاشی اثرات کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ انا ماری جاگوژ اپنی کتاب ''ایک تعارف: کوئیر تھیوری'' میں بھی جنسیت سے بے رغبتی کو غربت اور سماجی دباؤ سے جوڑتی ہیں:

"The modern subject's anxiety about sexual performance mirrors a deeper cultural anxiety about productivity, potency and power."۱۱

مذکورہ بحث سے واضح ہوتا ہے کہ جنسی بے رغبتی کسی ایک سبب کا نتیجہ نہیں بلکہ سماجی دباؤ، معاشی ناہمواری، نفسیاتی صدمات، عدمِ تحفظ اور باہمی بے اعتمادی جیسے عوامل کے باہمی تعامل سے جنم لینے والا ایک پیچیدہ رویہ ہے۔ معاصر انسان جہاں مادی آسائشوں اور انفرادی آزادی کے حصول میں مصروف ہے، وہیں ذہنی سکون، جذباتی وابستگی اور بااعتماد تعلقات کا فقدان بھی شدت اختیار کر گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنسیت، جو کبھی انسانی زندگی کی ایک فطری اور مستحکم ضرورت سمجھی جاتی تھی، اب مختلف سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی دباؤ کے زیرِ اثر نئی صورتیں اختیار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ معاصر اردو ناول اسی تبدیلی کو نمایاں کرتے ہوئے یہ باور کراتا ہے کہ جنسی رجحانات اور تعلقات کو محض حیاتیاتی تناظر میں نہیں سمجھا جا سکتا، بلکہ ان کی تشکیل میں معاشرتی ڈھانچے، طاقت کے رشتے، معاشی حالات اور فرد کی داخلی کیفیات بھی بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔

معاصر عہد میں شناخت کو ایک جامد اور مستقل حقیقت کے بجائے ایک تغیر پذیر اور تشکیل پاتی ہوئی کیفیت کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے انسانی وجود کو اس حد تک معاشی مفادات، پیداوار اور صارفیت سے وابستہ کر دیا ہے کہ فرد کی ذاتی، صنفی اور جنسی شناختیں بھی ان اثرات سے محفوظ نہیں رہیں۔ نتیجتاً بہت سے افراد اپنی معاشی ضروریات، سماجی بقا یا طبقاتی مفادات کے تحت اپنے طرزِ اظہار اور رویوں میں تبدیلی لاتے نظر آتے ہیں۔ محمد حفیظ خان کے منتارا اور کرک ناتھ سمیت دیگر ناولوں کے کردار اس رجحان کی نمائندگی کرتے ہیں، جہاں جنسی یا صنفی انحراف کو محض فطری میلان کے بجائے معاشی مجبوریوں اور طبقاتی حالات کے تناظر میں بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس طرح معاصر اردو ناول یہ واضح کرتا ہے کہ بعض اوقات جنسی شناخت اور صنفی اظہار فرد کی داخلی خواہش سے زیادہ اس کے معاشی حالات اور سماجی بقا کے تقاضوں سے تشکیل پاتے ہیں۔ سلویا فیڈریچی کا کہنا ہے کہ سرمایہ داری نے صنف کو پیداواری اکائی میں بدل کر اشخاص کی بنیادی پہچان کو محنت سے وابستہ کر دیا ہے:

"The capitalist organization of labor has not only redefined work but has also reorganized subjectivity determining who counts as productive, who as dependent)."۱۲

مذکورہ اقتباس اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام محض معاشی سرگرمیوں کو ہی منظم نہیں کرتا بلکہ افراد کی سماجی حیثیت اور شناخت کی تشکیل میں بھی فعال کردار ادا کرتا ہے۔ جو افراد معاشی دھارے میں مؤثر اور "پیداواری" سمجھے جاتے ہیں انہیں سماجی قبولیت حاصل ہوتی ہے، جبکہ حاشیے پر موجود طبقات اکثر امتیاز، استحصال اور شناختی بحران کا شکار رہتے ہیں۔ انا ماری جاگوز کے نظریات بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ کوئیر اور غیر روایتی شناختیں معاشی و ثقافتی ڈھانچوں سے الگ نہیں بلکہ انہی کے اندر تشکیل پاتی ہیں۔ اشعر نجمی کے ناول اس نے کہا تھا کا کردار رنگیلی اسی صورتِ حال کی نمائندگی کرتا ہے، جس کی سماجی بے دخلی اور معاشی محرومی نے اس کی زندگی کا رخ متعین کیا۔ یوں ناول یہ تاثر دیتا ہے کہ بعض اوقات جنسی یا صنفی انحراف کے مظاہر کو فرد کی ذاتی خواہشات سے زیادہ سماجی اخراج، معاشی مجبوری اور عدمِ قبولیت کے تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔ سکول کے بچے اور ٹیچر اس کا بلاتکار نہ کرتے، اس کو گھر سے نکالے جانے کے بعد معاشی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ڈانسر بننا پڑا:

”رنگیلی کو ناچنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے ڈانس کی باقاعدہ ٹریننگ لی تھی۔ شاید اس نے ڈانس میں دہلی کے کسی کالج سے گریجوایشن کیا تھا اور یہاں جمال پور میں وہ ہر اسکول کے بچوں کو ڈانس کرنا سکھاتا تھا۔ اسکول والے کبھی اسے اس کی قابلیت کے مطابق پیسے نہیں دیتے تھے کیونکہ بھئی ڈانس بھی کوئی سکھانے یا کرنے کی چیز ہے؟ اسکول کے بچے بھی اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اسکول کے بچے رنگیلی کے پیٹھ پیچھے اسے 'موگا' بلاتے تھے۔ 'موگا' کا مطلب بھی مرد ہی ہوتا ہے لیکن لفظوں کی یہی جعل سازی تو ہے جو ہمیں 'ہم بناتی ہے۔ موگی عورت کو کہتے ہیں اور عورت کی ضد آدمی ہے۔ یعنی موگی کی ضد مرد ہے موگا نہیں، ہو ہی نہیں سکتا، خواہ آپ لاکھ کوشش کریں کیونکہ یہ جو پدری معاشرہ ہے، اس کی غیرت کو ٹھیس لگے گی“۔ ۱۳

رنگیلی کا کردار اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ غیر روایتی صنفی شناخت رکھنے والے افراد کو محض ثقافتی تعصبات ہی نہیں بلکہ معاشی استحصال کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ڈانس جیسی صلاحیت اور تربیت رکھنے کے باوجود اسے نہ مناسب معاشی مقام ملتا ہے اور نہ ہی سماجی احترام، بلکہ اس کی شناخت کو طنز، تحقیر اور تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال ظاہر کرتی ہے کہ شناخت کا مسئلہ صرف ذاتی انتخاب کا نہیں بلکہ اس کے اظہار، قبولیت اور بقا کا بھی ہے، جو سماجی اور معاشی طاقتوں کے زیرِ اثر رہتا ہے۔ معاصر اردو ناول اس امر کو واضح کرتا ہے کہ جب کوئی فرد مروجہ صنفی سانچوں سے ہٹ کر اپنی شناخت قائم کرتا ہے تو معاشرہ اور اس کے ادارے اکثر اس کی صلاحیتوں کے اعتراف کے بجائے اسے حاشیے پر دھکیل دیتے ہیں، جس سے شناختی بحران اور سماجی بیگانگی مزید گہری ہو جاتی ہے۔ انا ماری جاگوزٹ کے بقول:

“Queer identities are produced not outside but within economic and cultural systems — they are the product of the same forces that attempt to regulate them).”۱۴

مذکورہ بحث سے واضح ہوتا ہے کہ سماج محض افراد کے ظاہری طرزِ زندگی ہی کو منظم نہیں کرتا بلکہ ان کی جسمانی، جنسی اور صنفی شناختوں کی تشکیل اور اظہار پر بھی گہرا اثر ڈالتا ہے۔ کسی فرد کی تذلیل کے لیے اس کے بال کاٹ دینا، چہرہ کالا کرنا یا جسم پر نشانات ثبت کرنا در اصل محض جسمانی سزا نہیں بلکہ اس کی شناخت، وقار اور انسانی وجود پر حملہ ہے۔ اگرچہ اخلاقی اور مذہبی نظام خطا اور سزا کے باقاعدہ اصول متعین کرتے ہیں، لیکن عملی سطح پر اکثر طاقت ور طبقات اپنی سماجی برتری کو برقرار رکھنے کے لیے ایسے ضابطے وضع کرتے ہیں جو کمزور اور حاشیے پر موجود افراد کو مزید محدود کر دیتے ہیں۔ اس طرح جنسی اور صنفی شناختیں بھی طاقت، اختیار اور سماجی جبر کے پیچیدہ رشتوں میں الجھ جاتی ہیں، جہاں فرد کی ذاتی خواہش اور سماجی قبولیت کے درمیان مسلسل کشمکش جاری رہتی ہے۔

معاصر اردو ناول اس کشمکش کو نہایت باریک بینی سے پیش کرتا ہے۔ ایسے کردار جو روایتی صنفی سانچوں سے ہٹ کر اپنی شناخت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں صرف سماجی تنقید ہی نہیں بلکہ طبقاتی استحصال، معاشی محرومی اور ثقافتی اجنبیت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ بعض افراد سماجی دباؤ کے تحت اپنی خواہشات اور شناخت کو دبا دیتے ہیں، جبکہ بعض دوسرے مزاحمت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ تاہم مزاحمت بھی آسان نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے لیے معاشی استحکام، سماجی حمایت اور جسمانی تحفظ درکار ہوتا ہے، جو اکثر ان کرداروں کو میسر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنے حقوق سے آگاہ ہونے کے باوجود عملی جدوجہد سے گریز کرتے ہیں اور خاموشی کو بقا کی حکمتِ عملی بنا لیتے ہیں۔

اشعر نجمی کے ناول میں یہ احساسِ بے بسی نہایت مؤثر انداز میں سامنے آتا ہے کہ طاقت کے غیر مساوی ڈھانچے فرد کی مزاحمتی صلاحیت کو بھی محدود کر دیتے ہیں۔ اس تناظر میں تشدد صرف جسمانی نہیں رہتا بلکہ خوف، محرومی، تضحیک اور سماجی اخراج کی صورت میں بھی اپنا وجود برقرار رکھتا ہے۔ یہی وہ عوامل ہیں جو بہت سے افراد کو اپنی شناخت کے اظہار، اپنے حقوق کے مطالبے اور سماجی قبولیت کی جدوجہد سے دور رکھتے ہیں۔ یوں شناخت کا مسئلہ محض ذاتی پسند یا ناپسند کا معاملہ نہیں رہتا بلکہ طاقت، معیشت، ثقافت اور سماجی اداروں کے باہمی تعلق کا مظہر بن جاتا ہے۔

حاصلِ بحث یہ ہے کہ معاصر اردو ناول میں جنسی اور صنفی شناختوں کا مسئلہ صرف فرد کی داخلی خواہشات تک محدود نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں معاشی ناہمواری، سماجی جبر، ثقافتی پابندیاں، نفسیاتی صدمات اور طاقت کے غیر مساوی رشتے کارفرما ہیں۔ یہی عوامل جنسی بے رغبتی، شناختی بحران اور متبادل صنفی اظہارات کو جنم دیتے ہیں۔ اس مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جنسی رویوں اور صنفی شناختوں کو محض حیاتیاتی یا اخلاقی زاویے سے سمجھنا ناکافی ہے، بلکہ ان کی تفہیم کے لیے سماجی، معاشی اور ثقافتی تناظرات کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ معاصر اردو ناول اسی پیچیدہ انسانی صورتِ حال کو آشکار کرتے ہوئے یہ باور کراتا ہے کہ شناخت کی تشکیل اور اس کا اظہار فرد کی ذاتی خواہش کے ساتھ ساتھ معاشرتی طاقتوں اور معاشی حقائق سے بھی گہری وابستگی رکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ منصور خوشتر، ڈاکٹر، اردو ناول کی پیش رفت، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۱۰۷

۲۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، بر صغیر میں اردو ناول، اردو مجلس، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۳۵۷

۳۔ سعید ابراہیم، سیکس اور سماج، نروان پبلیکیشن، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۴

۴۔ یوسف حسن، حکیم، جنسیات کی پہلی کتاب، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، دہلی، س ن، ص ۱۴

۵۔ ایضاً، ص ۱۵

۶۔ اشعر نجمی، اس نے کہا تھا، اثبات پبلیکشنز، مہاراشٹرا، انڈیا، ۲۰۲۱ء، ص ۱۱۲۔۱۱۳

۷۔ رفاقت حیات، رولاک، القا پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۴ء، ص ۲۳۰

۸۔ Silvia Federici,Caliban and the witch,USA 2004, p. 41

۹۔ اشعر نجمی، اس نے کہا تھا، اثبات پبلیکشنز، مہاراشٹرا، انڈیا، ۲۰۲۱ء، ص ۹۶

۱۰۔ محمد حفیظ خان، کرک ناتھ، بک کارنر، جہلم، ۲۰۲۰ء، ص ۸۴

۱۱۔ Queer Theory: An Introduction Annamarie Jagose,1996,p.89

۱۲۔ Silvia Federici,Caliban and the witch, 2004, p. 32,

۱۳۔ اشعر نجمی، اس نے کہا تھا، اثبات پبلیکشنز، مہاراشٹرا، انڈیا، ۲۰۲۱ء، ص ۱۷

۱۴۔ Queer Theory: An Introduction Annamarie Jagose,1996,p.75